ڈاکٹر سبینہ اویس اعوان
اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو
گورنمنٹ کالج وومن یونی ورسٹی، سیال کوٹ

فکرِ اقبال اور امیدِ فردا

Iqbal's tenure as a poet can be termed as the most difficult period for Muslims of subcontinent. This nation was in the denial stage, preoccupied with disappointments, resentment and with no direction. They were of low esteem and fed up of themselves. Iqbal, a strong believer of faith played a key role in the renaissance of his nation and pulled them out of dangerous zone. History can't forget his role as a reformer for Muslim nation. Iqbal wanted to rebuild the stature of Muslims as a great nation. For this purpose, he girded up his loins, worked incessantly, pulled them out of darkness. Iqbal's poetry is a vivid reflection of hope and success. His message is sound and clear. His poetry contains the hope for the wonderful future of humans. His poetic verses present the detailed program for the survival as well as the religio-ethical norms of humanity. It also gives solid suggestions for the splendor future of young generation in a poetic way. Through Iqbal's ideology we not only realize the realities of life but also get guidance towards such ethical system which will bind us to our origin. It also leads us to our innate positive attitudes. Iqbal's writings act as beacon of light in darkness. This piece of writing will highlight Iqbal's efforts and ideology to create a hope of better future in his nation's minds.

کلیدی الفاظ۔ اقبال، بلقان، روس، طرابلس، قائد اعظم، سعادت سعید، خلیفہ عبد الحکیم، وحید عشرت

امید ایک ایسی کرن ہے جو ناممکن کو ممکن بنانے، حالات کا رخ موڑنے اور خوابوں کو صداقت عطا کرنے کا نام ہے۔ جب تلخ تجربات انسان کو ریزہ ریزہ کر دیتے ہیں جب ہم ذات کے سیاہ غار میں گر جاتے ہیں جب ہم اپنی ذات میں منتشر ہو جاتے ہیں جب ہم بوجھل قدموں اور شکستہ دل ہوں، کوئی ہم نوا نہ ہو تب امید ہی سہارا دیتی ہے "مایوسی" کے اندھیروں سے نکال کر روشنی سے ہمکنار کرتی ہے۔

اقبال بیسویں صدی کے ایک بڑے مفکر، شاعر اور فلسفی ہیں۔ اقبال صرف ملی مفکر نہیں تھے بلکہ آفاقی افکار و خیالات کے حامل تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ایشیا کے مسلمانوں کے علاوہ دنیا کے ہر خطے میں موجود مستشرقین نے بھی افکارِ اقبال کو سراہا ہے۔ اقبال کا اصل کارنامہ بھٹکی ہوئی قوم کی رہنمائی تھی۔ انھوں نے بیمار ملت کی نبض پر ہاتھ رکھ کر مرض کی تشخیص کی۔ اقبال کے شعری تصورات نے ہندوستان، افغانستان، ایران اور وسطی ایشیائی ریاستوں کے لیے بالخصوص اور دیگر مسلم ممالک کے لیے بالعموم عہد نو میں زندگی گزارنے کے لیے ایک نیا منشور مہیا کیا۔ اقبال چاہتے تھے کہ جبر و استحصال اور پستی و غلامی کے شکنجوں میں جکڑے عوام متحد ہو کر اپنا انفرادی اور ملی وقار بحال کریں۔

اقبال نے جس دور میں آنکھ کھولی وہ ایک عالمگیر سیاسی و عمرانی انقلاب کا دور تھا۔ بیسویں صدی کی ابتدا تھی۔ دنیا میں جنگ کے بادل چھائے تھے۔ جنگ عظیم اول نے دنیا کو ہلا کر رکھ دیا جب جنگ ختم ہوئی تو تحریک کے دلخراش مناظر تھے اور دوسری جانب ایک عصر نو کی تعمیر کا ساماں ہو رہا تھا۔ تمام عالم انسانی ایک اضطراب کی کیفیت میں مبتلا تھا۔ برصغیر پاک و ہند کے مسلمان تنزل کا شکار تھے۔ محکومی ان کا مقدر بن چکی تھی مسلمان تعلیم اور مادی ترقی کے دور میں بہت پیچھے رہ گئے تھے ان تمام حالات سے نبرد آزما ہونے کے لیے سر سید احمد خاں کے بعد سب سے مؤثر آواز اقبال کی تھی۔ اقبال مسلم تاریخ و فکر پر گہری نظر رکھتے تھے۔ انھوں نے محسوس کیا کہ عرصہء دراز سے مسلمان قوم انجماد کا شکار ہے۔ اقبال نے اپنی شاعری کے ذریعے برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں میں سیاسی و قومی شعور بیدار کیا۔ انھوں نے اپنی قوم و ملت کی زبوں حالی پر آنسو بہائے لیکن فغانِ نیم شبی کو شعار نہیں بنایا۔ حساس شاعر نے شعور کی روشنی میں گرد و پیش کے حالات کا جائزہ لیا۔ انھوں نے مسلمانوں کی سیاسی، تہذیبی، معاشرتی، معاشی، ذہنی اور جذباتی حالت کو شدت سے محسوس کیا انھیں ذلت کے گڑھے سے نکالتے ہوئے آزادی کا پیغام دیا۔ انھیں شعور عطا کیا۔ انھیں درست زندگی گزارنے کے آداب بتائے۔ نظامِ اقدار کی ناہمواری کی جانب توجہ مبذول کرائی۔ ایک ایسے نظام اقدار کا تصور پیش کیا جو اخوت، محبت، مساوات، انصاف پر مبنی ہو، اس نظامِ اقدار کی عملی صورت عطا کرنے کے لیے ایک انقلاب کا خواب دیکھا۔ اقبال کے نزدیک ایسی زندگی جس میں ذوق و شوق، انقلاب اور جذبہء تسخیر و فتح نہ ہو موت ہے کیوں کہ زندگی کے آثار و شواہد انقلاب جذبہ تسخیر و فتح میں مضمر ہے کہتے ہیں۔

جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی
روحِ امم کی حیات کشمکشِ انقلاب[1]

امید فرد اکے حوالے سے افکارِ اقبال کا جائزہ لیا جائے تو مختلف اسباب نظر آتے ہیں ایک وجہ تو خود شاعر کی شخصیت اور طبیعت پوشیدہ ہے۔ شاعر فطرتاً ذکی الحس اور حساس ہوتا ہے۔ احساس کی شدت کے نتیجے میں عموماً اس کی زندگی اور شاعری میں الم کا عنصر چھایا رہتا ہے۔ اقبال کی رجائیت کا ایک سبب غم و سوز و گداز ہے۔ اقبال غم کو عطیہ خداوندی سمجھتے ہیں۔ اقبال کے نزدیک غم ایک تعمیری و تخلیقی قوت ہے جس سے انسانی فطرت کے جوہر روشنی حاصل کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

نہ ہو نومید ، نومیدی زوال علم و عرفاں ہے
امید مردِ مومن ہے خدا کے رازدانوں میں[2]

اقبال اپنی شاعری کے ذریعے دلوں میں آرزوئیں پیدا کرتے ہیں کیونکہ آرزوؤں کی مسلسل تخلیق سے ہی زندگی کو دوام حاصل ہوتا ہے۔

1911 سے 1924 کے دوران امت مسلمہ شدید بحران کا شکار تھی۔ برصغیر پاک و ہند کے مسلمان جنگ طرابلس اور جنگ بلقان میں اپنے بھائیوں کی خونریزی اور ایران میں روس کی فتنہ انگیزی سے کرب میں مبتلا تھے۔ اقبال نے بھی اس اضطراب کو محسوس کیا۔ اقبال کی نگاہ سے یہ نکتہ چھپ نہ سکا۔ کہتے ہیں:

ہے جو ہنگامہ بپا حملہء بلغاری کا
غافلوں کے لیے پیغام ہے بیداری کا
تو سمجھتا ہے یہ ساماں ہے دل آزاری کا
امتحاں ہے ترے ایثار کا خودداری کا

کیوں ہراساں ہے سہیل فرس اعدا سے
نورِ حق بجھ نہ سکے گا نفس اعدا سے[۳]

اقبال تیقن کے ساتھ برصغیر پاک وہند کے مسلمانوں کو خوشخبری سناتے ہیں۔

دیکھ کر رنگِ چمن ہو نہ پریشاں مالی
کوکبِ غنچہ سے شاخیں ہیں چمکنے والی[۴]

جب ہر طرف اسلامی ممالک کی شکست وریخت کا منظر درپیش تھا ملت کے درخشاں مستقبل پر اقبال کا ایمان متزلزل نہیں ہوا۔

کب ڈرا سکتا ہے غم کا عارضی منظر مجھے
ہے بھروسہ اپنی ملت کے مقدر پر مجھے[۵]

جب جنگ طرابلس اور جنگ بلقان کی تباہ کاریوں سے عالم اسلام میں ایک کہرام برپا تھا تو اقبال نے اپنے اشعار کے ذریعے امید کی کرن روشن کی۔ نظم ''شمع وشاعر'' میں اقبال کی حکیمانہ بصیرت نے ایمان افروز حقیقت کو منکشف کیا۔ اعتماد سے کہتے ہیں:

بے خبر تو جوہرِ آئینہ ایام ہے
تو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے[۶]

1923 میں اقبال نے ''طلوعِ اسلام'' کے ولولہ انگیز اشعار میں پیغام دیا:

خدائے لم یزل کا دستِ قدرت تو زباں تو ہے
تیری فطرت میں ہے ممکنات زندگانی کی
یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوبِ گماں تو ہے
مکاں فانی ، مکیں آنی ، ازل تیرا ، ابد تیرا
خدا کا آخری پیغام ہے تو جاوداں تو ہے
تری فطرت امیں ہے ممکنات زندگی کی
جہاں کے جوہر مضمر کا گویا امتحاں تو ہے[۷]

عالم اسلام کی زبوں حالی پر ان کا دل کڑھتا تھا اور ممالک اسلامیہ کی ترقی پر ان کو خوشی ہوتی۔ وہ دل شکستوں کو ان کے اسلاف کے کارناموں کی داستان سنا کر زندگی کا حوصلہ پیدا کرتے اور روشن مستقبل کا یقین دلا کر ان کے عزائم بلند کرتے۔ ''مادی وسائل سے مایوس ہو کر، تائید غیبی کے لیے کسی دردمندی کے ساتھ دربار رسالت اور بارگاہِ الٰہی میں چھپ چھپ کر روتے، گڑگڑاتے اور دعا کرتے تھے''۔[۸]

اقبال کے پیش نظر ایک منزل تھی انھوں نے اس منزل کے حصول اور اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے جدوجہد کی۔ فکر اقبال کی تجریدیت کو پاکستان کی صورت میں ایک پیکر ملا۔ پاکستان اقبال کے خوابوں کی تعبیر ہے۔ قائداعظم نے اقبال کے افکار کو عملی صورت عطا کی۔ پاکستان اقبال کا مرجع آرزو ہے۔ ڈاکٹر سعادت سعید ''اقبال ایک ثقافتی تناظر'' میں لکھتے ہیں:

''اقبال کے مشوروں سے قائد اعظم جیسے عظیم رہنما نے یوں فیض پایا کہ حصولِ پاکستان کے لیے ان کی جدوجہد تیز سے تیز تر ہو گی۔ علامہ اقبال خوابِ پاکستان کے خالق تھے۔ قائد اعظم نے قیامِ پاکستان کے لیے شبانہ روز محنت کی اور یوں شاعر کے عظیم خواب کو حقیقی تعبیر عطا کی۔ اقبال کے پیغام کی بدولت کئی محکوم ایشیائی مسلم ریاستیں اپنی آزادی کے لیے کمربستہ ہوئیں۔ اقبال نے سنجیدگی سے مسلم دنیا کے ماضی اور حال کا جائزہ لیا اور ان کے مستقبل کی جہت نمائی کا گراں قدر کارنامہ انجام دیا''۔۹؎

اقبال کی دور رس نگاہوں نے دیکھ لیا تھا کہ عہد حاضر کے انسان کے دل و دماغ پر مغربی تہذیب کا غلبہ ہے۔ مغرب روحانیت سے دور اور مادیت کی جانب راغب کرتی ہے۔ اس کا قلب سوز و ساز سے خالی ہے۔ اقبال نے اپنے اشعار کے ذریعے مغربی تہذیب کی سفاکی کو بے نقاب کیا اقبال چاہتے ہیں کہ مسلمان فرنگی فکر اور فرنگی تہذیب کی پیروی نہ کریں کیونکہ اس میں ہلاکت بلکہ روحانی و فکری طور پر اپنے آپ کو اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھال کر افرنگ کا مقابلہ کریں اور افرنگ کو ایک مرتبہ مغلوب کریں۔

اقبال کی شاعری میں مشرقی اور خصوصاً اسلامی تہذیب کی عظمت کا احساس شدید ہے۔ اس خیال نے مغربی تہذیب کے درست خدوخال کو بے نقاب کیا۔ اقبال ایک روشن فکر شاعر ہیں۔ مغرب کی روشنی علم و ہنر سے وہاں کے مثبت پہلوؤں سے استفادہ کیا۔ ان کی آنکھیں اس ظاہری چمک دمک سے خیرہ نہیں ہو سکیں کیونکہ انھوں نے تو مدینہ و نجف کی خاک کو اپنی آنکھوں کے لیے سرمہ بنالیا تھا۔

ڈاکٹر سعادت سعید ''اقبال ایک ثقافتی تناظر'' میں لکھتے ہیں:

''دنیا بھر کے مسلمانوں کو درپیش نامساعد حالات سے ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ کلامِ اقبال کا مطالعہ ہمیں وہ مثبت لائحہ عمل عطا کر سکتا ہے جو اکیسویں صدی میں ہمارے لیے مکمل طور پر مشعل راہ ثابت ہو گا''۔۱۰؎

اقبال ایک خوش آیند مستقبل کے خواہشمند تھے۔ ان کے مخاطب بھی نوجوان تھے شاعر کو یقین ہے کہ نوجوان ہی ان کی امیدوں کے سورج کو طلوع کریں گے۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری لکھتے ہیں:

''اقبال کو یقین تھا کہ نوجوان ہی ان کی آرزوؤں کے چراغ اور امیدوں کے آفتاب و مہتاب ہیں۔ ان کی روشنی آج مدہم سہی، کل تیز ہو گی اور مستقبل کی شاہراہ اس روشنی سے جگمگا اٹھے گی''۔۱۱؎

اقبال کو شکایت ہے کہ نئی نسل کا اپنے آبا سے روحانی، تہذیبی اور ملی رابطہ نہیں رہا جس کے نتیجے میں تن آسانی، سہل پسندی فروغ پا رہی ہے۔ اکبر الہ آبادی کے نام 25 اکتوبر 1915 کو لکھے جانے والے ایک خط میں کہتے ہیں:

''صرف ایک بے چین اور مضطرب جان رکھتا ہوں۔ قوتِ عمل مفقود ہے لیکن یہ آرزو رہتی ہے کہ کوئی قابل نوجوان جو ذوقِ خداداد کے ساتھ قوتِ عمل بھی رکھتا ہو، مل جائے۔ جس کے دل میں اپنا اضطراب منتقل کر دوں''۔۱۲؎

محولہ بالا خط سے اقبال کی تڑپ کا اندازہ ہوتا ہے کہ اقبال نوجوانوں کو مستقبل کا امین تصور کرتے ہیں۔ اقبال نوجوانوں کے مستقبل کے لیے لاانتہا امکانات پوشیدہ دیکھتے ہیں۔ وہ تاریکیوں میں بھی امید کی شمع جلائے رکھتے ہیں۔ یہ غلامی کے بجائے نوید آزادی دیتے ہیں۔ قوم کے نوجوانوں کو شاہین کہہ کر مخاطب کرتے اور ان سے مستقبل میں خوش آیند توقعات وابستہ کرتے ہیں۔ اس لیے تو فرماتے ہیں:

نہیں ہے ناامید اقبال اپنی کشتِ ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی۱۳؎

اقبال نے قرآنی فکر کو بنیاد بنا کر دنیا بھر میں موجودہ تبدیلی اور انقلاب کے تصورات کا جائزہ لیا اور پھر فیصلہ کن انداز میں کہا کہ مسلمان جب اسلام کی رسی مضبوطی سے تھام لیں گے تو ان کے لیے انسان دوستی اور اخلاقی بالیدگی کے راستے قدرے آسان ہو جائیں گے۔ وہ نئے مقاصد تخلیق کرتے ہوئے ستاروں پر کمندیں ڈال سکے گا۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی کہتے ہیں:

"انھوں نے قومی زندگی کے حالات کو اپنا موضوع بنایا ہے اور اس کے ماضی و حال اور مستقبل کے مدوجزر کو اس میں کچھ اس طرح سمو دیا ہے کہ وہ ہماری زندگی کا صحیح آئینہ معلوم ہوتی ہے۔ اس آئینے میں ہماری انفرادی و اجتماعی، جذباتی اور ذہنی زندگی کے خدوخال پوری طرح بے نقاب نظر آتے ہیں"۔ ۱۴

اقبال کے نزدیک مذہب ہی وہ ذریعہ ہے جس سے افکار و نظریات کی دنیا میں وسعت پیدا ہوتی ہے جس کے ذریعے ہم زندگی، قوت اور طاقت کے دائمی سرچشمے تک رسائی حاصل کرتے ہیں۔ قرآنِ کریم کے گہرے مطالعے کے بعد اقبال پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ عالم انسانیت کا مستقبل قرآن پاک کی تعلیمات اور اتباعِ رسول میں مضمر ہے۔

کسی قوم کا ملی شعور اس کی تاریخ سے صورت پذیر ہوتا ہے۔ تاریخ عالم اسلام میں ایسی مثالیں موجود ہیں کہ مسلمان ان نمونوں سے کسب فیض حاصل کر سکتے ہیں۔ ملت اسلامیہ ایک بصیرت کی وارث ہیں یہ بصیرت توحید پر مشتمل ہے۔ جن مسلمانوں نے بصیرتِ توحید کو پہچانا اور اس کے مطابق خود کو ڈھالا وہ اس ملت کے افراد تھے جو اب خود فراموشی اور خدا فراموشی کے باعث گہری ظلمتوں میں گرے ہوئے ہیں۔ فکر اقبال میں خلیفہ عبدالحکیم لکھتے ہیں:

"اقبال کی طبیعت میں بھی کبھی کبھی یاس کی ایک ہلکی سی لہر پیدا ہوتی ہے لیکن بہت جلد امید اس پر غالب آجاتی ہے۔ اقبال ملت کے انحطاط سے خوب واقف ہیں لیکن اس کا مرثیہ گو نہیں"۔ ۱۵

اقبال مایوسی کا شکار ہوتے ہیں تو فوراً اسلام اور مسلمانوں کا ابدی نصب العین انھیں سکون فراہم کرتا ہے، اقبال ماضی کی داستانیں سناتے ہوئے مسلمانوں کے مستقبل کو روشن دیکھتے ہیں جس دور میں اقبال نے رجائیت سے بھرپور نظمیں لکھیں اس دور میں مسلمان سیاسی بے بسی، افلاس، علوم و فنون میں پس ماندگی، غالب اقوام کے مقابلے میں بے چارگی کا شکار تھے۔ لوگ نہ صرف اپنے آپ سے بلکہ اسلام سے بھی مایوس ہو رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ شاید دین اسلام بھی اپنا کام کر کے خاموش ہو گیا۔ اگرچہ اقبال زندگی کے لامتناہی ممکنات کا معتقد ہے اس لیے حال کے حالات انھیں مستقبل سے مایوس نہیں کرتے۔ ان کی ناامیدی کی حامل نظموں کے آخری حصہ میں امید، یاس پر غالب آجاتی ہے۔ لیکن جب گرد و پیش نگاہ دوڑاتے ہیں تو کہیں حیات انگیز انقلاب نظر نہیں آتا تو پھر مایوسی کی ہلکی سی لہر دل میں پیدا ہوتی ہے اور وہ کہتے ہیں:

تھی وہ اک درماندہ رہرو کی صدائے دردناک
جس کو آواز درِ آئے کارواں سمجھا تھا میں ۱۶

بانگِ درا میں ایک غزل نما نظم بعنوان "میں اور تو" ہے۔ جس میں اقبال اپنی کیفیت کا عام افرادِ ملت کے فکر و عمل سے مقابلہ کرتے ہیں۔ اس نظم میں یاس کا رنگ امید پر غالب ہے۔ اقبال اپنی ملت کی پست حالت کے پیش نظر وہ اپنی کوششوں کو بعض اوقات بے اثر سمجھتے ہوئے کہتے ہیں:

نہ سلیقہ مجھ میں کلیم کا ، نہ قرینہ تجھ میں خلیل کا
میں ہلاک جادوئے سامری ، تو قتیل شیوہ آذری ۱۷

اور کبھی وہ اپنے آپ کو ایک اجڑے ہوئے باغ میں کبھی خشک شاخ پر ایک بلبل نالہ گر سے تشبیہ دیتے ہیں اور پر امید ہیں کہ شاید اس بلبل کی نوا سے باغ میں بہار آئے۔ کہتے ہیں:

میں بلبل نالاں ہوں اک اُجڑے گلستاں کا
تاثیر کا سائل ہوں محتاج کو داتا دے ۱۸؎

خلیفہ عبد الحکیم "فکر اقبال" میں اظہارِ خیال کرتے ہیں:

"یاس کی ان ہنگامی لہروں کے باوجود اقبال کا پیام پیامِ امید ہے۔ اس کے نزدیک نہ صرف ملت اسلامیہ بلکہ تمام نوعِ انسان کا مستقبل نہایت درخشندہ اور فطرت ایک نیا آدم تعمیر کرنے میں کوشاں ہے۔ جس کی بدولت علم و عشق کی آمیزش سے ایک نیا عالم ظہور میں آئے گا"۔ ۱۹؎

یاس و ناامیدی کو قومی زندگی کے لیے ترقی کے حصول کے لیے زہر سمجھتے تھے۔ قوموں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ناامیدی کو پاس نہ آنے دیں، اپنے حوصلے بلند رکھیں اور سرگرم جستجو رہیں۔ اقبال اپنے ایک خطبہ بعنوان "کیا مذہب کا امکان ہے" میں فرماتے ہیں:

"جس مایوسی اور دل گرفتگی میں آج کل کی دنیا گرفتار ہے اور جس کے زیر اثر انسانی تہذیب کو ایک زبردست خطرہ لاحق ہے اس کا علاج نہ تو عہد وسطیٰ کی صوفیانہ تحریک سے ہو سکتا ہے اور نہ جدید زمانے کی وطنی قومیت اور لادین اشتراکیت کی تحریکوں سے۔ اس وقت دنیا کو حیاتِ نو کی ضرورت ہے"۔ ۲۰؎

دنیائے ادب میں ایسی مثال بہت کم ملے گی کہ ایک پر آشوب دور سے تعلق رکھنے والا شاعر جس کی قوم مختلف النوع خطرات کا شکار ہو! وہ شاعر ناگفتہ بہ حالات کا شعور بھی رکھتا ہو اس کا دل قوم کے غم میں اور انسانیت کے درد سے بھرا ہوا ہو پھر بھی اس کا کلام رجائیت سے بھرپور ہو اقبال اپنے انگلستان کے قیام کے دوران اس عزم کا اظہار کیا

میں ظلمت شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کارواں کو
شرر فشاں ہو گی آہ مری نفس ، مرا شعلہ بار ہو گا ۲۱؎

اقبال رجائیت سے بھرپور شاعر ہیں کہ ناامیدی کی تند و تیز آندھیوں میں بھی امید کا چراغ روشن کرتے رہے۔

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
مردِ درویش جس کو حق نے دیے ہیں اندازِ خسروانہ ۲۲؎

اقبال کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انھوں نے دنیا کے مسلمانوں کو عموماً اور برِ عظیم پاک و ہند کے مسلمانوں کو خصوصاً ایک ایسے دور میں حوصلہ مندی اور رجائیت کا پیغام دیا۔ جب وہ سخت مایوسی میں مبتلا تھے۔ ڈاکٹر وحید عشرت "فکریاتِ اقبال" میں لکھتے ہیں:

"علامہ محمد اقبال کی شاعری امید اور رجائیت کی مظہر ہے۔ ان کی شاعری میں نوعِ انسانی کے تابناک مستقبل کی امید اور نوید جھلملاتی ہے۔ اقبال کی شاعری گل و بلبل، زلف و رخسار اور ہجر و وصال کے محدود تناظر سے نکل کر نوعِ انسانی کے سب سے اہم مسئلے نوعِ انسانی کی بقا، جدید مشین اور میکانکی دور میں انسانی صورتِ حالات، مذہبی اور اخلاقی قدروں کے انہدام سے پیدا ہونے والے خلا اور قوموں اور نسلوں کے مقدر کو پامال کرنے یا ان کو سنوارنے جیسے اہم آفاقی اور کائناتی سوالات کے وسیع تناظر سے ابھرتی ہے"۔ ۲۳؎

اقبال نہ خود مایوس ہوتے ہیں اور نہ دوسروں کو مایوس ہونے دیتے ہیں وہ جد و جہد اور عمل کی تلقین کرتے ہیں۔ کلامِ اقبال اپنے اندر مثبت اثر رکھتا ہے۔ غلام صابر "اقبال شاعرِ فردا" میں رقمطراز ہیں:

"یہ اعجاز ہے ہمارے حکیم الامت کا جو اپنے کلام سے امت مسلمہ کو جگا کر چلا گیا اور اب دشمنانِ قوم اگر چاہیں بھی تو پھر بھی یہ ملت سو نہیں پائے گی۔ اس قوم میں خوابِ غفلت سے بیدار کرنے والے پیدا ہوتے رہیں گے اور ایک دن پھر ایسا آئے گا کہ یہ تاریکیاں غائب ہو جائیں گی اور آفتابِ صداقت کا نور دنیا کو منور کر دے گا"۔

بقول اقبال:

شب گریزاں ہو گی آخر جلوہ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمہ توحید سے[۲۴]

اقبال امت مسلمہ کے سوز میں جلتے ہیں یہی عشق کی شراب انھیں مسرور رکھتی ہے۔ وہ دوسروں کو بھی اسی وادی حق پر گامزن ہونے کی نصیحت کرتے ہیں اور پر امید ہیں کہ یہ کوشش رایگاں نہیں جائے گی۔

در طلب کوش و مدہ دامن امید ز دست
دولتے ہست کہ یابی سر راہے گاہے

اقبال اپنی کشادہ دلی سوزِ قلب کے باوجود اللہ پاک سے اسی تڑپ، اسی روحانی بیداری کے خواہشمند ہیں وہ اس حقیقت سے واقف ہیں کہ زندگی کا راز اسی میں مضمر ہے۔ وہ اس نصب العین کے حصول کے لیے سرگرمِ عمل رہنا چاہتے ہیں کیوں کہ یہی باطنی ہنگامہ آرائی کشمکش حیات ہے وہ اپنی اسی نوا کی بدولت دوسروں کو بیدار کرنا چاہتے ہیں۔ اگرچہ یہ دشوار مرحلہ ہے۔ مردہ قوم میں زندگی کی روح پھونکنے کے لیے دم عیسیٰ کی ضرورت ہے استقلال، بلند حوصلگی اعلیٰ ہمتی کی ضرورت ہے۔ اقبال خودی کو مضبوطی سے تھامے رکھنے کی تلقین کرتے ہیں۔ جس کا طریق کار یہ ہے کہ سوائے اللہ کے کسی سے کوئی امید وابستہ نہ کی جائے۔ اقبال فرماتے ہیں کہ اس دنیا میں کسی ساقی کا محتاج نہ رہے کیونکہ:

کیونکہ مے بھی تو ، مینا بھی تو ، ساقی بھی تو ، محفل بھی تو

اور کسی رہبر، رہنما کی تلاش میں مارامارانہ پھر کیونکہ:

راہ تو ، رہ رو بھی تو ، رہبر بھی تو ، منزل بھی تو

اقبال نے اپنی شاعری میں اپنے آپ کو ایک رہبر کے طور پر پیش کیا جو فن کے توسط سے بعض ایسے حقائق بیان کرتے ہیں جو مسلمانوں کے لیے بالخصوص اور نوعِ انسانی کے لیے بالعموم مفید ہوں اقبال ایک ایسے مردِ حق گو کی تلاش میں بھی تھے جو نہ صرف تقدیر خود رقم کرے بلکہ دوسری قوموں کی تقدیریں بھی اپنی تدبیر سے بدل دینے کی قوت سے مالا مال ہو زندہ قوم کی تقدیریں ان کے ارادوں میں پوشیدہ ہوتی ہیں اور اقبال نے زندہ قوموں کی نشانی یہ بتائی ہے:

نشاں یہی ہے زمانے میں زندہ قوموں کا
کہ صبح و شام بدلتی ہیں ان کی تقدیریں[۲۵]

اقبال ایک ایسے مثالی نظامِ اقدار کے خواہشمند ہیں جس کی بنیاد اخوت، محبت اور مساوات پر استوار ہو۔ جس میں حق گوئی ہو۔ جس میں عزتِ نفس مجروح نہ ہو۔ جو فلاح عامہ کا ضامن ہو۔ جس میں اقتدار کی ہوس اور ملک گیری کی خواہش نہ ہو۔ اگر ایسا برتر اور کامل معاشرہ وجود میں

آجائے تو اقبال کے نزدیک انسان آسمانوں پر محوِ پرواز ہوتا ہے۔ ستاروں پر کمندیں ڈالتا ہے اور ستاروں سے آگے جہانوں کی تلاش میں مصروف رہتا ہے۔

اقبال ایک دیدہ ور مفکر کی حیثیت سے بھی بلند مقام رکھتے تھے انھوں نے اپنے دور کے فکری و عملی مسائل پر توجہ دی بالخصوص مسلمانوں کے زوال کے اسباب اور ترقی کی راہوں کی نشاندہی کی بلکہ مستقبل میں پیش آنے والے مسائل پر بھی غور و فکر کیا۔ اقبال کا پیام، ان کے افکار اپنے دور کے لیے بھی تھے اور آنے والے دور سے بھی ان کا گہرا تعلق ہے۔ اقبال نے جن نکات کی جانب ہماری توجہ مبذول کروائی وہ انسان کی ذہنی و جذباتی، فکری و عملی، انفرادی و اجتماعی زندگی کے ایسے پہلوؤں سے متعلق ہیں جو کبھی اوراقِ پارینہ نہیں بن سکتے۔ بلکہ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ اقبال کے افکار اور تعلیمات کی معنویت اور ضرورت اور بھی زیادہ بڑھ رہی ہے۔ در حقیقت افکارِ کلامِ اقبال ماضی کا بھی عکاس تھے، موجودہ دور کا بھی ترجمان ہیں اور آنے والے دور کے لیے بھی مشعل راہ ہیں۔

حوالہ جات وحواشی

۱:۔ اقبال، علامہ: کلیاتِ اقبال (لاہور، زاہد بشیر پرنٹرز 2012)، ص202۔

۲:۔ ایضاً، ص210۔

۳:۔ ایضاً، ص109۔

۴:۔ ایضاً، ص109۔

۵:۔ ایضاً، ص103۔

۶:۔ ایضاً، ص102۔

۷:۔ ایضاً، ص137۔

۸:۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر: اقبال سب کے لیے (دہلی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، 1981)، ص193۔

۹:۔ سعادت سعید، ڈاکٹر: اقبال ایک ثقافتی تناظر (لاہور، دستاویز مطبوعات،)ص115۔

۱۰:۔ ایضاً، ص19۔

۱۱:۔ فرمان فتح پوری ڈاکٹر: اقبال سب کے لیے"، محولہ بالا8، ص280۔

۱۲:۔ سلیم اختر، ڈاکٹر: اقبال کی فکری میراث (لاہور، بزم اقبال، 1996)، ص126۔

۱۳:۔ عبادت بریلوی، ڈاکٹر: اقبال احوال وافکار (دہلی، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس،، 1981،)ص94۔

۱۴:۔ خلیفہ عبدالحکیم: "فکر اقبال (لاہور، بزم اقبال1977)، ص165۔

۱۵:۔ اقبال، علامہ: "کلیاتِ اقبال"، محولہ بالا01، ص166۔

۱۶:۔ ایضاً، ص120۔

۱۷:۔ ایضاً، ص113۔

۱۸:۔ خلیفہ عبدالحکیم: "فکر اقبال" محولہ بالا، 14، ص507۔

۱۹:۔ شمس الدین صدیقی، ڈاکٹر محمد: "اقبال کا نظریہ تاریخ "مشمولہ "تفسیر اقبال"، مرتبہ (دہلی، بہار الہ آباد)ص244۔

۲۰:۔ اقبال:، علامہ "کلیاتِ اقبال"، محولہ بالا01، ص77۔

۲۱:۔ ایضاً، ص216۔

۲۲:۔ وحید عشرت، ڈاکٹر: "فکریاتِ اقبال (لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، 2009)، ص281۔

۲۳:۔ غلام صابر: "اقبال شاعرِ فرد (لاہور، اقبال اکادمی 2006)، ص77۔

۲۴:۔ اقبال، علامہ: "کلیاتِ اقبال"، محولہ بالا01، ص103۔

۲۵:۔ ایضاً، ص355۔